جولائی ۱۹۹۳ء

(۱)

جامعۂ علمیہ "باب النجف" جاڑا کی پہلی پیش کش

شیعانِ آلِ محمدؐ خصوصاً واعظین و مبلغین کے لئے نادر و نایاب تحفہ

مقدمہ تفسیر

انوار النجف فی اسرار المصحف

حجۃ الاسلام علامہ حسین بخش مدظلہ بانی و سرپرست جامعہ علمیہ باب النجف

اپنے بچوں کیلئے یہ الیکٹرونکس کاپی بنائی
جس سے دیگر مومنین بھی استفادہ کر سکتے ہیں
طالب سید ندر عباس
12-6-2004

ھدیہ: -/130 روپے

کہیں بہا کرلے جاتا۔ بلکہ بہت ہی ممکن تھا کہ ہر طرح کا تعلیم یافتہ انسان بلکہ ہر با رسوخ آدمی اپنے آپ کو عہدۂ نبوت پر فائز قرار دے کر ایک جماعت بنا لیتا۔

بہرکیف باتفاق امتِ اسلامیہ جناب رسالتمآبؐ پر سلسلۂ نبوّت کا خاتمہ ہُوا۔ اور آپ کی شریعت اور کتاب کی حدِ قیامت قرار پائی۔ تو کس قدر تعجب خیز بلکہ ایک ناممکن سا تصوّر ہے۔ کہ سالقہ قابلِ نسخ اور محدود شریعتوں کی تبلیغ اور ترویج کے لئے تو اللہ کی جانب سے عہدہ دار متعین ہوں اور ناقابلِ تسخ شریعت اور غیر محدود دین کے لئے اللہ کی طرف سے کوئی انتظام نہ ہو۔ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ بات منافی عدل و حکمت ہے۔ پس ماننا پڑے گا کہ جس طرح قرونِ سالقہ اور امم سالفہ میں صاحبانِ شریعت انبیاء کے قائمقام نبی ان کی شریعت کے محافظ اور ان کے دین کے مبلّغ ہوا کرتے تھے۔ اور وہ عالمِ شریعت و کتاب ہونے کے علاوہ پاک و معصوم بھی ہُوا کرتے تھے۔ اسی طرح آخری نبی سید الانبیاء کی قائم مقامی کا شرف جن کو ملے گا۔ وہ گو نبی تو نہ ہوں گے (کیونکہ نبوت ختم ہو چکی ہے) لیکن عالمِ کتاب و شریعت اور معصوم ضرور ہوں گے اور جس طرح ان قائمقام انبیاء کا انتخاب و تقرر بیدِ قدرت میں تھا۔ اسی طرح ان اوصیائے معصومین کا انتخاب اور تقرر بھی بیدِ قدرت میں ہی ہے۔

اوصیائے پیغمبرؐ

جس طرح جنابِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام صاحبانِ شریعت انبیاء سابقین سے افضل ہیں۔ اسی طرح ان کے اوصیائے طاہرینؑ جو مروّجِ شریعت اور مبلّغین احکامِ قرآن ہیں۔ انبیاء کے قائمقام اوصیاء سے افضل ہوں گے اور جس طرح یہ قرآن کتبِ سالقہ اور صحفِ گزشتہ پر حاکم ہے۔ اسی طرح اس کے مبلّغین (اوصیائے رسالت) ان کتابوں اور صحیفوں کے مبلّغین پر حاکم ہوں گے۔

بلکہ اس قاعدہ سے اوصیائے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گذشتہ صاحبانِ شریعت انبیاء سے بھی افضل ہوں گے۔ کیونکہ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک تمام انبیاء حضرت رسالتمآبؐ کے سامنے رعایا کی حیثیت رکھتے ہیں تو ان کے اوصیائے طاہرینؑ کے سامنے بھی وہ بحیثیت رعایا کے ہوں گے۔

مثال کے طور پر ایک ایک ملک میں ہر ہر ضلع و ریاست کا حکمران جس طرح پورے ملک کے بادشاہ کی رعایا میں شمار ہوا کرتا ہے اسی طرح ملک کے بادشاہ کے وزراء کا بھی وہ محکوم اور فردِ رعیّت شمار ہوتا ہے۔ ہر ضلع یا صوبہ و ریاست کا حاکم اپنے ماتحت پر حاکم ضرور ہے لیکن اپنے ملکی بادشاہ یا اس کے وزراء کا ماتحت ہونا بھی اس کی کسرِ شان نہیں بلکہ اس کے لئے مقامِ فخر ہوا کرتا ہے۔ یہاں بھی اپنے اپنے حدود شرع کے اندر ہر نبی اپنی امّت کا حاکم اور بادشاہ ہے لیکن جناب محمد مصطفیٰؐ کی عالمی نبوّت کے مقابلہ میں چونکہ وہ بحیثیت امّت اور رعایا کے ہے۔ لہٰذا آنحضرتؐ کے اوصیا و خلفائے طاہرین علیہم السّلام بھی ان کے سردار اور حاکم ہیں۔

بلکہ جہاں تک جناب رسالتمآبؐ کا دائرہ نبوت ہے وہاں تک اُن کا دائرہ خلافت ہے اگر وہ عالمین کے لئے بشیر و نذیر ہیں تو یہ بھی عالمین کے امام و امیر ہیں۔ لہٰذا تحت الثریٰ سے لے کر عرشِ علا تک اگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حکومت ہے تو اسی ساری کائنات میں آنحضرتؐ کے اوصیائے طاہرین کی خلافت و ولایت ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسالتمآبؐ کے بعد ظاہری مسندِ اقتدار خواہ کوئی سنبھال لے۔ حقیقت میں مسندِ رسالت کا اہل اور ملکِ خلافت کا تاجدار وہی ہوگا۔ جس کا اقتدار عرش سے لے کر فرش تک مسلّم ہو اور جس کی غلامی میں انبیاء معصومین اور ملائکہ مقربین سب داخل ہوں اور اس عہدۂ جلیلہ کا اہل غیر معصوم تو یقیناً نہیں ہو سکتا۔ پس آلِ محمدؐ ہی اس عہدہ پر فائز ہو سکتے ہیں اور چونکہ جناب رسالتمآبؐ کی شریعت کی حدود قیامت سے جاملتی ہیں تو ان کے اوصیائے طاہرینؑ کا سلسلہ بھی قیامت تک قائم رہنا ضروری ہے اور وہ سب کے سب آلِ محمدؐ ہی سے ہیں اس وقت سرکار رسالت کا آخری جانشین خلافتِ الٰہیہ کا آخری تاجدار اور سلکِ امامت کا بارہواں درِ شہوار حضرت حجۃ العصر صاحب الامر امام زمان مہدی و ہادی علیہ و علی آبائہ السلام عج موجود ہیں۔ جو قرآن و شریعت کے حقیقی محافظ و نگہبان ہیں اور انہی کے وجود مسعود کی برکات سے وجود کائنات باقی ہے۔ ایک وقتِ مقرر تک اللہ کی حکمت و مصلحت سے غائب ہیں۔ جب پردۂ غیبت اٹھے گا۔ عالمِ ظاہر میں تشریف فرما ہو کر عالمی مسندِ اقتدار پر متمکن ہوں گے اور قرآن و شریعت کو نئی زندگی بخش کر پورے روئے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ جس طرح کہ ظلم و جور سے بھر چکی ہے اور ان کے وجود غائب سے دنیا اس طرح استفادہ کر رہی ہے جس طرح بادلوں میں چھپ جانے کے بعد سورج سے کیا جاتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ خدا کی طرف سے قرآن کا آجانا کافی ہے اور اس کے سمجھانے کے لئے صرف حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافی ہیں اور ان کے گذر جانے کے بعد ان کے جانشین کے تقرر کا اختیار تمام امّتِ اسلامیہ کو حاصل ہے وہ جسے منتخب کر دے بس درست ہے کیونکہ سب امّت باطل پر جمع نہیں ہو سکتی تو اس صورت میں وسعتِ نظری اور بلند حوصلگی سے یہ خیال کرنا ہوگا کہ کیا حضورِ رسالتمآبؐ کی حدودِ رسالت صرف مدینہ یا مکّہ یا اطراف حجاز و عرب تک محدود تھیں اگر جواب نفی میں ہے تو پھر دامنِ انتخاب کو بھی حدود مملکتِ نبوت کی وسعتوں تک پھیلانا پڑ جائے گا۔ کیونکہ محدود علاقہ اور محدود اقوام تک اگر ان کی نبوت محدود ہوتی تو انتخابات کو بھی اسی قدر محدود ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن اگر حدود مملکتِ نبوت عرش سے فرش تک اور ناسوت سے لے کر ملکوت تک پھیلی ہوئی ہوں تو انتخابات کو صرف مدینہ تک بلکہ وہاں کے بھی گنے چنے چند افراد تک محدود کیوں کر دیا جائے ؟

تاریخ بتلاتی ہے کہ بہت سے صحابہ کرام اس انتخاب پر راضی نہیں تھے۔ جنہوں نے پُر زور احتجاجات بھی کئے آواز بھی اٹھائی لیکن دبا دی گئی۔ چنانچہ انصار نے سقیفائی اجتماع میں کھلا نعرہ لگایا تھا۔ لَا نُبَایِعُ اِلَّا عَلِیًّا یعنی ہم علیؑ کے علاوہ کسی دوسرے کی بیعت نہ کریں گے۔ (تاریخ طبری)۔ اب کسی کا برسرِ اقتدار آجانا اور اس کی حکومت کا مضبوط ہو جانا اور مخالف آواز کا مرعوب ہو کر دب جانا اور ... ہے اور اس کو صحیح اور قانونی طور پر منتخب ماننا اور شے ہے۔ اربابِ تاریخ و سیر نے مسئلہ انعقادِ اجماع اور کیفیتِ خلیفہ سازی کو کافی بسط و تفصیل کے ساتھ معتبر ذرائع سے اپنی تصانیف میں مبرہن اور مدلل طور پر محققانہ انداز کے ساتھ ایسا واضح و عیاں کیا ہے کہ منصف طبائع کو تلاش حق میں ذرہ بھر دقّت نہیں رہتی چنانچہ

آغا سلطان مرزا کی کتاب "البلاغ المبین" جو بلند پایہ مصنف کی ایک قابلِ قدر تصنیف ہے۔ اس موضوع پر ہر پہلو سے تحقیقی بحث کرنے میں اپنی نظیر آپ ہے۔ اور مصنف کے تاریخی معلومات میں یدِطولیٰ کا پتہ دیتی ہے۔ اور اگر بنا پر تسلیم اس انتخاب کو درست مان لیا جائے تو پھر سوال پیدا ہوگا کہ دوسری خلافت کے تعین کے لئے اس طرزِ عمل کو کیوں ترک کر دیا گیا اور بطور نامزدگی کے تقرری عمل میں کیوں آئی۔

اگر پہلا طریق تعین (انتخابات) درست تھا تو اس کو ترک کرنا ناجائز تھا۔ پس دوسری خلافت غیر قانونی ہوگی اور اگر دوسرا طریقہ درست تھا (یعنی نامزدگی) تو دونوں خلافتیں غلط ٹھہریں۔ پہلی اس لئے کہ وہ نامزد نہیں تھے اور دوسری اس لئے کہ جس نے نامزد کیا وہ خود غلط جانشین تھا لہٰذا (اس کو نامزدگی کا حق ہی حاصل نہیں تھا)

لطف یہ کہ تیسرے دورِ خلافت میں نامزدگی بھی نہ رہی بلکہ ایک شورائی کمیٹی بنا کر تقررِ خلیفہ کا حق ان کو دے دیا گیا اب اگر اس کو درست کہا جائے تو پہلے ہر دو طریق غلط تھے اور اگر پہلے غلط تھے تو یہ خود بخود غلط تھا کیونکہ انہی کا ایجاد کردہ تھا اب کوئی خاک سمجھے کہ نبی کی خلافت کا تعین کیسے ہونا چاہیئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا خلافتِ نبویہ با اقتدار طبقہ کے ذاتی رجحانات کے ماتحت نئے نئے طریق بدل کر نئے روپ میں نئے جنم لیا کرتی ہے اس کا نہ کوئی قاعدہ ہے اور نہ قانون بلکہ جو جس طریق سے اور جس طرزِ عمل سے مسند نشین ہو جائے درست ہے۔ اس بحث کو ہماری کتاب امامت و ملوکیت میں مفصل ملاحظہ فرمائیے۔

بالفرض اگر یہ کہا جائے کہ اپنے اپنے مقام پر وہ سب طریق درست تھے اور سب پر اجماعِ امت کا اطلاق ہو گیا تو سوال یہ ہے کہ اس سلسلہ کو نبی علیہ السلام کے بعد تھوڑے عرصہ تک محدود کیوں کر دیا گیا۔ جب نبوت کی حد قیامت ہے تو تقررِ خلافت بھی قیامت تک ہے۔ لہٰذا اس طرزِ عمل کو قیامت تک جاری رکھنا چاہیئے۔ اگر عذر پیش کیا جائے کہ خلافت بعد میں اقتدار کا تختۂ مشق بن گئی اور اقتداری رکاوٹیں انتخاباتِ صحیح کی راہ میں حائل ہو گئیں تو ہم پوچھیں گے کہ یہ اقتدار جو عام انتخابات کی راہ میں روڑا بن گیا کیوں ناجائز ہے۔ اور وہ اقتدار جو عام انتخاب نہ ہونے کے باوجود اجماع کا ڈھنڈورا پیٹتا رہا کیوں جائز ہے یا ان دونوں میں فرق کی کیا وجہ ہے؟

بہر حال یہ سوال اپنے مقام پر باقی ہے کہ دورِ اوّل کے اقتدار نے حدیثِ غدیر مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ کے سننے کے بعد نیز علیؑ کو رسالتمآبؐ کا اپنا عمامہ (سحاب) بطور رسمِ تاجپوشی بندھانے اور صحابہ کے رسوم مبارکباد ادا کرنے کے بعد عہدِ رسالتؐ کو کیوں چھوڑا اور ولایتِ علیؑ سے منہ کیوں موڑا؟

اگر بنفسِ نفیس خود حضرت رسالتمآبؐ اپنے ولی عہد کو لاکھوں کے مجمع میں نامزد فرما دیں تو خلافت کے انعقاد کے لئے ناکافی ہے اور امت بعد میں انتخاب سے تقرر کرے (اور وہ بھی چند آدمیوں کا) یا نامزدگی کو طریق تقررِ خلافت قرار دے یا شورائی کمیٹیاں تشکیل دے کر کام نکال لے تو یہ سب کچھ درست اور کافی ہے (عجب ہے معیارِ خلافت) اگر جنابِ رسالتمآبؐ

کی طرف یہ نسبت دی جائے کہ انہوں نے فرمایا تھا میرے صحابہ کا اجماع یا میری امّت کا اجماع حق ہے یا یہ کہ میری امّت باطل پر کبھی جمع نہ ہوگی یا یہ کہ میرے صحابہ واجب الاتباع ہیں۔ والی غیر ذالک۔ تو ہمیں دریافت کرنے کا حق حاصل ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں بعض صحابہ کا اجتماع یا بنا بر تسلیم تمام اہلِ مدینہ کا اجماع (گو حضرت علیؑ اور بعض دیگر اکابر صحابہ شریک نہ ہوئے تھے) اگر حق اور واجب الاتباع ہے تو میدانِ غدیر میں ایک لاکھ سے زائد لوگوں کا اجماع جن میں مکّی۔ مدنی طائفی۔ یمنی۔ مصری۔ بصری کوفی و شامی وغیرہ اطراف مملکتِ اسلامیہ کے افراد موجود تھے اور خود بنفسِ نفیس حضرت رسالتمآبؐ بھی تشریف فرما تھے اور شریک اجماع بلکہ محرک اجماع تھے اور تحریک اجماع بحکم آیت یَآ اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ واقع ہوئی اور جناب رسالتمآبؐ نے اپنی زبان وحی ترجمان سے اس کی ابتداء فرمائی اور تمام صحابہ نے برضائے تمام بلا پس و پیش فرائض بیعت و مبارکباد ادا کئے۔ رسم تاجپوشی بھی ادا ہوئی تو بتایئے اتنا زبردست اجماع کیوں ٹھکرا دیا گیا؟

سب کچھ سہی لیکن اب جبکہ ممالک اسلامیہ دینی مقاصد سے دُور جا رہے ہیں۔ قرآن کا پُرسانِ حال کوئی نہیں اسلام پر مخالفینِ اسلام آوازیں کس رہے ہیں۔ تمام عالمِ اسلامی نہایت بے چینی سے وجود حضرتِ قائم آل محمد صاحب الزمان امام العصر مہدی وہادی علیہ السّلام عجّل اللہ فرجہٗ کی انتظار میں ہے۔ ذرائع نقل و حرکت۔ آمد و رفت نہایت آسان ہیں اور اجماع کی حجیت بھی قیامت تک کے لئے ہے تو دریں صورت تمام عالمِ اسلامی کو بجائے انتظار کے ایک عالمی مجلسِ مشاورت قائم کرکے کسی ایک کو عہدۂ مہدویت سپرد کرنا چاہیئے جو کفیل نظامِ اسلامی ہو اور مژدہ امن ہو کر فسق و فجور اور ظلم و جور کا قلع قمع کر دے۔ پس وہ مہدی ہوگا اور اس صورت میں تمام عالم مزید خطرات سے دُور اور محفوظ ہو جائے گا۔ دنیا آرام و اطمینان کا سانس لے گی۔ جب اپنے بس کی بات ہے تو خدا سے مزید دُعا مانگنے کی اور انتظار کی صعوبتیں برداشت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہی جواب ہوگا کہ دَورِ حاضر میں تمام ممالکِ اسلامیہ کے ارباب بست و کشاد جمع ہو کر اگر کوشش کریں بھی تو حضرت مہدی نہیں بنا سکتے۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ دَورِ حاضر کے اعلیٰ دماغ مفکرّین تمام اطراف عالمِ اسلامی سے جمع ہو کر مہدیٔ امّت نہیں بنا سکتے۔ یعنی جناب رسالتمآبؐ کا آخری جانشین معین نہیں کر سکتے اور اگر بالفرض جرأت کریں بھی تو وہ اُن کا بنایا ہوا ہوگا۔ خدائی مہدی نہ ہوگا تو ایک محدود خطّہ زمین کے چند عمر رسیدہ مل کر پہلا جانشین بنا لینے میں کیونکر کامیاب ہو گئے تو اب سمجھ لیجئے کہ جس کو انہوں نے بنایا تھا وہ ان کا تھا لیکن خدائی عہدہ دارِ خلافت نہ تھا۔ کہنے کو دنیا کہہ دے گی کہ دَورِ حاضر میں ہمارا انتخاب ناقص ہے اور عقلاء زمانہ بارہا تجربہ کر چکے ہیں کہ ہمارا منتخب شدہ لیڈر چند روز بعد ناقابلِ انتخاب قرار پا جاتا ہے اور قہراً اسے مسند اقتدار سے اتارنا پڑ جاتا ہے۔ جب ہمارے انتخاب کی یہ حالت ہے تو انتخاب مہدیؑ ہم سے کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ اللہ ہی کا منتخب کردہ ہونا چاہیئے۔

اب انصاف طلب بات ہے کہ جب عقلائے عالم کا انتخاب ناتسلی بخش ہے اور وہ بھی دَورِ حاضر میں جب کہ انسان

ذہنی اور دماغی صلاحیتوں میں ترقی کے بلند ترین زینہ پر پہنچ چکا ہے تو بھلا آج سے چودہ سو برس پہلے کے انسانوں کا انتخاب اور وہ بھی تمام ممالک کا نہیں ایک پورے ملک کا نہیں بلکہ ایک صوبہ یا ایک ضلع کا بھی نہیں اور حد یہ کہ ایک پورے شہر کا بھی نہیں (صرف چند آدمیوں کا) کیسے خالی از خطرہ قرار دیا جا سکتا ہے اور ایسے منتخب لیڈر کو کس طرح ایک ناقابلِ تنسیخ پوری ملت کا مذہبی و دینی پیشوا یا خدائی فرمانروا مانا جا سکتا ہے؟

اس مقام پر تین باتیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ یہ کہ جانشین رسالتؐ کا انتخاب ہمیشہ امت کے ہاتھ میں ہے۔

۲۔ یہ کہ جانشین رسالتؐ کے انتخاب کا امت کو کوئی حق نہیں بلکہ خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔

۳۔ یہ کہ دورِ اوّل میں جانشین رسولؐ کے انتخاب کا حق امت کو تھا اور بس۔

پہلی صورت میں اگر پہلے زمانہ کی امت پہلے زمانہ کے خلفاء کا انتخاب کرنے میں کامیاب تھی تو اب بھی اسی اصول کے ماتحت رسولؐ کے آخری جانشین بنانے میں کامیاب انتخاب ہو جانا چاہیئے ورنہ ماننا پڑے گا کہ یہ طریق کار اللہ کی طرف سے نہیں ورنہ ناکام نہ ہوتا۔ تیسری صورت میں اگر کہا جائے کہ پہلے لوگوں کو حق انتخاب حاصل تھا کیونکہ وہ نیک تھے اور اب چونکہ باطل پرستی کا دور دورہ ہے۔ لہذا اختیار امت سے سلب کر کے خدا نے اپنے لئے مخصوص فرما لیا تو ہم کہیں گے کہ حکیم مطلق نے ایک پائیدار ملت کے لئے شروع سے ایک ناپائیدار قانون کیوں وضع فرمایا جب اس کو معلوم تھا کہ انتخابی طرزِ عمل ایک وقت کے بعد بے کار ہو جائے گا۔ تو ایسے چند روزہ کے طرزِ عمل کو ایک قیامت تک باقی رہنے والی ملت کا اصل و اساس کیوں قرار دیا؟ اور نیز اسلامی احکام میں مساوات اور یکسانیت کہاں گئی؟ خدا نے جنبہ داری روا کیوں رکھی؟

پس وہ درمیانی صورت ہی بالکل درست و قرینِ عقل ہے۔ یعنی جانشین رسولؐ کے انتخاب کا حق پہلے بھی اور اب بھی سوائے خدا کے اور کسی کو حاصل نہیں نہ اب کا انتخاب بارہواں اور آخری جانشین بنا سکتا ہے۔ اور نہ پہلے کا انتخاب پہلا جانشینِ رسولؐ اور امامِ اوّل بنا سکتا ہے اگر امت جرأت کرے بھی تو وہ امت کے بنائے ہوئے ہوں گے۔ خدائی عہدہ دار خلافت نہ ہوں گے۔ پس ثابت ہوا کہ جس طرح قرآن مجید اللہ کی جانب سے ہمارے اعمال و افعال کے لئے ایک مستقل اور ناقابلِ تردید ضابطہ ہے اسی طرح اس کا مدرس و مبلغ بھی ہر دور میں اللہ کی جانب سے ہی ہوا کرتا ہے۔

جس طرح ہمیں کتاب کے بنانے کا حق نہیں اسی طرح ہمیں اس کے مدرس و مبلغ کے انتخاب کا بھی کوئی حق حاصل نہیں ہے جس طرح دورِ اوّل میں بنص رسولؐ قرآن کا معلم حضرت علیؑ تھا۔ اسی طرح ہر زمانہ میں یکے بعد دیگرے آئمہ طاہرینؑ بنص رسولؐ چلے آئے اور دورِ حاضر میں حضرت حجت عجل اللہ فرجہٗ بھی بفرمانِ رسالت مبلغ قرآن ہیں۔

نہ اب ہمارے بنانے سے بن سکتا ہے اور نہ اس دور میں لوگوں کے بنانے سے بن سکتا تھا۔

جس طرح آج کا انتخاب غلط اور خلافِ حکمِ خدا ہے اسی طرح اس زمانہ کا انتخاب بھی غلط اور خلافِ حکم خدا تھا۔

نہ آج کا بنایا ہوا خدائی فرمانروا بن سکتا ہے اور نہ اس دَور کا لوگوں کا بنایا ہوا خدائی خلیفہ و جانشین رسول بن سکتا ہے پس وہ رسولؐ جو مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی (خواہشِ نفسانی سے کلام نہیں کرتا) اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (ان کا کلام تو وحی خدا سے ہی ہوا کرتا ہے) اپنی امّت کو کسی سرپرست کے بغیر قطعاً چھوڑ کر نہیں گئے بلکہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمام احکام قرآنیہ بیان کر کے جائیں اور اتنا بڑا مسئلہ جس پر بعد میں قیامت تک کے لئے پُوری امّت کے دینی مسائل کے حل کا دارومدار ہے اس کو بغیر بیان کے چھوڑ جائیں ؟

انہوں نے کُھلے الفاظ میں صریح اور غیر مبہم بیان میں صاف طور پر ثقلین کے ساتھ تمسک کا حکم فرمادیا۔ زبان سے بھی سنایا اور ہاتھوں پہ بلند کر کے دکھایا بھی اور سُنایا بھی اور عملی طور پہ تاج پوشی کر کے بھی آنے والے خطرات کا سدِّباب کیا اور یہ سب کچھ اللہ ہی کی جانب سے تھا انہوں نے صرف پہنچادیا۔

اگرچہ قوم طالوت نے طالوت کے منتخب من اللہ ہونے پر اس کی مالی کمزوری کا اعتراض کیا تھا لیکن خُدا کے نزدیک چونکہ معیار انتخاب پر پُورا اترنے والا صرف وہی تھا۔ اس لئے وہی منتخب ہُوا اور وہی خدائی عہدہ دار رہا۔ خواہ کسی نے مانا یا نہ مانا۔ خدائی عہدہ جس کے پاس ہو کسی کے تسلیم نہ کرنے سے چھن نہیں سکتا۔ جس طرح خُدا کو نہ ماننے والے اس کی خدائی میں موجب نقصان نہیں ہو سکتے۔ رسولؐ کو رسولؐ نہ تسلیم کرنے والے آنحضرتؐ کی رسالت کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اسی طرح علیؑ اور اولاد علیؑ سے منہ موڑنے والے ان سے نہ عہدۂ ولایت و امامت چھین سکتے ہیں اور نہ ان کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں وہ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن ان کے ساتھ ہے وُہ نہ قرآن سے جُدا ہیں اور نہ قر[illegible]ن سے جُدا ہے خواہ کوئی تسلیم کرلے یا نہ کرے

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُتَمَسِّكِيْنَ بِالثَّقَلَيْنِ كِتَابِكَ وَعِتْرَةِ نَبِيِّكَ الطَّاهِرِيْنَ

قرآن اور ختمِ نبوّت

کتب سماویہ میں سے قرآن مجید کا آخری کتاب ہونا مسلّماتِ اسلامیہ میں سے ہے لیکن یہ کیوں ؟

تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ ہر فردِ انسانی کا تدریجی ارتقاء اور ہر مرتبہ میں اس کی دماغی و ذہنی صلاحیتوں کا متعدبہ تفاوت اس امر کا مقتضی ہے کہ اسے ہر مرتبہ میں اسی ہی مرتبہ کی مناسبت سے تعلیم و فرائض و احکام کا حامل قرار دیا جائے کیونکہ وہ اسی کا ہی اہل ہے۔

جس طرح ترقی کے تدریجی مدارج میں بچپنے اور جوانی و بڑھاپے کا فرق ہے کہ بچپنے کے انتہائی دانشمندانہ افعال دورِ جوانی میں طفلانہ حرکات شمار کئے جاتے ہیں گو بچّے کے لئے اس دَور میں وہی زیبا اور اس کی کامیابی و کامرانی و ہر دلعزیزی کا وہی معیار ہوتے ہیں۔ بچے کے لئے ابتدائی درجہ میں حروفِ تہجّی کا سمجھ لینا اور یاد کرنا ویسا ہی مشکل ہوتا ہے۔ جیسا کہ مُنتہی